علم کی اسلامی تشکیل

نتیجۂ فکر اسماعیل الراجی الفاروقی شہید

(۲)

المیہ کا قائم بالذات سبب اس امر میں کوئی شک نہیں کہ امت کے المیہ کا خاص سبب اور اس کی جڑ مروجہ نظامِ تعلیم ہے۔ یہی وہ زمین ہے جس میں مرض کو پھلنے پھولنے کے وافر مواقع میسر آتے ہیں۔ اسکولوں تعلیم گاہوں اور کالجوں میں ہی اسلام سے دوری، اسلامی اقدار و روایات سے بے نیازی اور اس کے ضوابط واصول سے روگردانی کے جراثیم پرورش پاتے ہیں۔ موجودہ تعلیمی نظام ایک ایسی تجربہ گاہ ہے جہاں نوجوان طلباء کے ذہن کو نئے نقشوں سے آراستہ کیا جاتا اور نئے سانچوں میں ڈھالا جاتا ہے اور جہاں ان کے شعور کو مغربیت کی بھٹی میں تپایا جاتا ہے اور یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کا اپنے اسلامی ماضی سے رشتہ شعوری طور پر منقطع ہو جاتا ہے، اپنے اسلاف کے ورثہ کو حاصل کرنے کی فطری جستجو اس کے اندر دم توڑ دیتی ہے اور اسی مرحلہ پر اسلاف سے معنوی رشتہ قائم کرنے کی خواہش اور اسلام کا فکری اور عملی احیاء اور تنقید کی طلب ان شکوک و شبہات کی نذر ہو جاتی ہے جو نظام تعلیم نے ان کے شعور کے ہر رگ و ریشہ میں پیوست کر دیئے ہیں۔

مسلمان دنیا میں تعلیم کی موجودہ حالت اب تک کی عظیم تعلیمی ترویج و اشاعت کے باوجود مسلمانوں کے تعلیمی معیار کی حالت ہنوز دگرگوں ہے۔ جہاں تک اسلامی احیاء کا تعلق ہے، روایتی اور بے دین درسگاہیں، کالج اور جامعات مغربیت کی وکالت میں اب سے پہلے کبھی اس قدر جری اور بے باک نہ تھیں۔ جتنی آج ہیں۔ اور اس سے پیشتر کبھی ان کو ہم خیال مسلم طلباء کی اتنی کثیر تعداد نصیب نہ ہوئی تھی جتنی

آج ہے۔ اپنی ابتدا کے استعماری زمانہ سے لے کر آج تک بے دین تعلیمی نظام نے بے اندازہ ترقی کر لی ہے اور اسلامی نظام کو درسگاہوں سے نکال باہر کیا ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی تعلیمی نظام محض ایک انفرادی مسئلہ کی حیثیت سے باقی ہے جس کو ہر طرح کے عوامی وسائل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اور اگر کسی اسلامی ادارہ کو عوامی خزانہ سے حصہ دیا بھی جاتا ہے، جو اس کا جائز حق ہے، تو ساتھ ہی جدیدیت اور ترقی کے نام پر بے دین (سیکولر) نصاب کو داخل کرنے کی شرط بھی عائد کر دی جاتی ہے۔ ایسا عموماً نصاب تعلیم کو دو مختلف بلکہ متضاد حصوں میں بانٹ کر کیا جاتا ہے۔ ایک کو "اسلامی" سمجھا جاتا ہے اور دوسرے کو "جدید"۔ اس کی نمایاں اور مستند ترین مثال جامعۃ الازہر ہے۔ نصاب تعلیم کا "اسلامی جزو" قابلِ تغیر سمجھا جاتا ہے، کچھ قدامت پرستی اور مفاد پرستی کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ لادین تعلیمی نظام یہ چاہتا ہے کہ دینی نصاب کا دنیائے حقیقت سے رشتہ منقطع رکھا جائے اور جدید افکار کے قریب اس کو پھٹکنے نہ دیا جائے تاکہ یہ نصاب فرسودہ سے فرسودہ تر ہوتا چلا جائے اور اس کو پڑھنے والے طلباء کا صلاحیت، لیاقت اور امتیاز میں ان طلباء سے کوئی موازنہ ہی نہ ہو جو لادینی درسگاہوں سے پڑھ کر نکلتے ہیں۔ یہ سب استعمار پسند قوتوں کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں ہیں۔ قومی آزادی کے بعد اسی لادینی نظام کو بہتر اور اپنا سمجھ کر قبول کر لیا گیا جو اس کے لیئے زبردست تقویت کا باعث بنا۔ سیاسی سطح پر آزاد ہونے والی قوموں نے اس نظام کی پختگی، ترویج اور اشاعت کی خاطر عوامی خزانہ کا منہ کھول دیا اور قومیت کے نام پر اس نظام کو بے دین سے بددین بنا دیا۔ مغربیت پرست اور خدا بیزار قوتیں اب بھی سرگرم عمل ہیں اور اساتذہ و طلباء کو اسلام سے دور لے جانے والی مہمات درسگاہوں اور کالجوں میں اب بھی پرشور طریقہ پر جاری ہیں اور اس عظیم فتنہ کے سدباب کے لیئے ہنوز کچھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ درحقیقت آج کل تعلیمی حالت استعماری دور سے بھی ابتر ہے۔ اس وقت ہر ایک کو آزادی کی تڑپ، مسئلہ کے اسلامی حل کی تلاش اور مدافعت کی جستجو مضطرب رکھتی ہے۔ مگر آج جمود، کاہلی، قائدین پر بے اعتنائی جیسی صفات کا دور دورہ ہے جس کا افسوسناک سبب اخلاق و پاسِ وفا سے عاری قائدین کی مجرمانہ غفلت، جھوٹے وعدے اور مایوس کن اقدامات ہیں۔ کوئی بھی اسلامی حکومت، یونیورسٹی انتظامیہ یا عوامی تنظیم کالجوں کے نوجوان طلباء کے بگڑے ہوئے اخلاق کی اصلاح کے متعلق کچھ نہیں کر رہی ہے نہ ہی تعلیم کے ذریعہ ان میں خطرناک حد تک راہ پا جانے

والے غیر اسلامی رجحان کو روکنے اور اس پر بند لگانے کے لیے کوئی راہِ عمل پیش کی جاسکتی ہے۔ باثروت ممالک میں عظیم پیمانے پر عمارتی توسیع اور طلباء کی تعداد اور علمی شعبوں اور کالجوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ جیسی خصوصیات نتائج کے اعتبار سے لادین نظام تعلیم کے حق میں ہی سود مند ثابت ہوتی ہیں۔ اور اسی کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔ کوئی بھی رقم اس لیئے منظور نہیں کی جاتی کہ تعلیمی اداروں کی تجدید کا پر خلوص جذبہ نیتوں میں کارفرما ہے۔ بالفاظ دیگر تعلیم کو اسلامی نہج پر لانے یا کالجوں اور طلباء کو اسلامی طرز فکر سے متاثر کرنے کا جذبہ درسگاہوں کی ظاہری بہتری کے پس پشت نہیں پایا جاتا ہر ادارہ وہی لکیر کا فقیر نظر آتا ہے۔ ہر جگہ اسی مغربی تعلیمی نمونے پر ڈھل جانے کے لیئے برق رفتاری سے مسابقت جاری ہے۔

ضُعف بصیرت سارے مخالف دلائل کے باوجود حقیقت امر یہی ہے کہ جدید تعلیم کے نتیجہ میں مغربی سانچہ میں پورا نہیں اترا جاسکا ہے بلکہ جو کچھ تیار ہوا ہے وہ مغربیت کا ایک بھونڈا اور مضحکہ خیز نمونہ ہے۔ اسلامی نمونہ کے مثل، مغربی نمونہ کا انحصار بھی ایک تخیل پہ ہے اور اس تخیل کو لباس مجاز میں دیکھ لینے کی خواہش ہی اس کی تنقید کا محرک ہے۔ عمارتیں، دفتر، لائبریریاں، تجربہ گاہیں، کلاس رومز، تقریب گاہیں اور طلباء اور شعبوں کی لمبی تعداد وغیرہ تو محض سطحی اہمیت کی حامل چیزیں ہیں جو کسی اعلیٰ مقصد یا بصیرت کے بغیر کسی شمار میں نہیں۔ کسی بھی تخیلی مقصد کی نقل نہیں کی جاسکتی، صرف اس کے سطحی اور غیر اہم مظاہر کی کی جاسکتی ہے۔ گویا ضمنیات اور فروعیات میں تو الجھا جا سکتا ہے مگر اصل شے جو حقیقتِ مظاہر ہے پھر بھی ہاتھ نہیں لگتی۔ یقیناً یہی سبب ہے کہ تقریباً دو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی مغربی طرز کی لادینی طرزِ تعلیم سے مسلمان کچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔ نہ کوئی مدرسہ، نہ کالج، نہ یونیورسٹی، نہ ہی دانشوروں کی کوئی ایسی جماعت کہ جو مغربی دانش کی خلاقیت اور کمال سے لوہا لے سکے۔ اسلامی دنیا کی تعلیم گاہوں کے پست تعلیمی معیار کا لاینحل مسئلہ اسی ضعف بصیرت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جستجو کے بغیر علم کا حصول ممکن ہی نہیں اور جستجو ایسی شے ہے جس کی نقل نہیں کی جاسکتی یا جو مستعار نہیں لیجا سکتی۔ یہ تو خود شناسی اور خدا شناسی کی صفت سے ابھرتی ہے، مختصراً یہ ایمان کی دین ہے۔ مسلم دنیا کے نظام تعلیم میں مطلوبہ بصیرت مفقود ہے۔ مسلم قیادت مغربی بصیرت سے تو عاری ہے ہی اور اسلامی بصیرت سے اس نے خود کو جہالت، کاہلی اور لاتعلقی کی وجہ سے محروم کر رکھا ہے۔ مسلم دنیا کی تعلیمی قیادت بھی افادیت پرست اور سطحی چلی آتی ہے، جس

کے پاس نہ کوئی تہذیب ہے اور نہ کوئی مقصد۔ گذشتہ دو صدیوں کے دوران مغربی تعلیم گاہوں کو فلسفۂ قومیت (یا قوم پرستی) نے مہمیز دی اس لیے کہ رومانیت نے عیسائیت کے بے دخل خدا کی جگہ قوم کو حقیقتِ عظمیٰ کی حیثیت سے لا بٹھایا۔ مگر مسلمان کے لیئے کوئی حقیقت اخروی یا عظمیٰ نہیں ہے سوائے خدا تعالیٰ کے۔ ایک قومی مملکت کے سامنے سرِ عبدیت خم کرنا مسلمان کے لیئے نہ صرف ناممکن ہے بلکہ شرک کے مترادف بھی۔ مسلمانوں کا اپنے دینی ورثہ سے اور ماضی سے جو تعلق بھی ہو، اس کے لیے ان معنوں میں "قوم پرست" ہو جانا ممکن ہی نہیں جن معنوں میں ایک یورپین ہو سکتا ہے جو اپنے مذہب عیسائیت کی ساری حدود پامال کر کے کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہو۔

کسی مسلم یونیورسٹی کے استاد کی اعلیٰ ترین مثال کو لیجیئے یعنی ایسا پروفیسر جس نے کسی مغربی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند لی ہو۔ اس کی تعلیم و تربیت مغرب میں ہوئی ہے اور اس نے اوسط ڈویژن میں یا اس سے کم میں کامیابی حاصل کی ہے۔ چونکہ اس کے مقصد تعلیم کا اول محرک اسلام نہیں تھا اس لیئے اس نے مغرب میں وہ سب کچھ نہیں سیکھا جو وہ سیکھ سکتا تھا۔ وہ اس مقصد کو لے کر وطن سے روانہ ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تعلیم حاصل کرے گا، بلکہ اس کا مقصد مادی تھا یا ذاتی تھا یا زیادہ سے زیادہ قومی تھا۔ اسی لیے وہ اپنے مطلب کی چیز حاصل کر کے واپس آگیا۔ نہ تو اس نے اپنے مغربی اساتذہ کو اپنی صلاحیتوں اور علم میں اضافہ کر کے مات دینے کی کوشش کی۔ نہ ہی اس نے اپنے اسلاف کی پیروی میں — جنہوں نے قدیم یونان، ایران اور ہندوستان کے علوم پر اچھی طرح دسترس حاصل کرنے کے بعد ان کو اسلامی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ اپنے سیکھے ہوئے علم کو اچھی طرح ذہن نشین کیا اور نہ اس کو اسلامی علم و صداقت کی روشنی میں صحیح رُخ دینے کی کوئی فکر کی۔ بلکہ اس کی آرزوؤں کی معراج بس یہ تھی کہ اس نے بھلے برے نمبرات سے امتحان پاس کر لیا، سند حاصل کر لی، اور وطن واپس آکر شہرت اور پیسے کے اعتبار سے اچھا مقام حاصل کر لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے علم کی آخری رسائی صرف وہ درسی کتب ہیں جو اس کو عرصۂ طالبعلمی کے دوران پڑھنا پڑی تھیں، اس لیے کہ اب نہ اس کے پاس وقت ہے نہ قوت اور نہ تحریک کہ وہ اپنے علم کی حدود کو وسیع کرنے کی زحمت میں خواہ مخواہ مبتلا ہو۔ اس کا طرز زندگی اور پیشہ ورانہ حالات اس کو اس مطلوبہ معیار سے دور دھکیل دیتے ہیں۔ فطری نتیجہ کے طور پر اس کے شاگرد اس سے زیادہ کم ہمت اور زیادہ ناکارہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے لیے تو مغربی معیار بھی بعید تر از رسائی

ہو جاتا ہے۔ تدریجاً معیارات گرنے لگتے ہیں اور مسلم دنیا میں مغربی تعلیم کا تجربہ مغربی نمونہ کی محض بھدی نقالی سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔

موجودہ مسلم دنیا میں پڑھا جانے والا مواد اور طریق تعلیم، مغربی مواد اور طریقوں کی نقل ہے، مگر وہ اس بصیرت اور تخیل سے خالی ہے جو مغربی دنیا میں موجود تھا۔ تخیل اور بصیرت کے فقدان کے سبب یہ چیزیں محض دوسرے درجہ کی پیداوار کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ شعوری طور پر عاری البصیرت علمی مواد اور طریق ہائے تعلیم طلباء کو اسلام سے بعید تر کرنے کا زہریلا اور ناپاک عمل جاری رکھتے ہیں۔ اور بظاہر اسلامی تعلیمی مواد اور طریق ہائے تعلیم کی غیر موجودگی میں ان کے بدل کے بہانے اور ترقی اور جدیدت کے خوشنما ناموں کے سہارے اپنے منحوس اثرات قائم کرتے رہتے ہیں۔ نتیجتاً یہ عوامل مسلم یونیورسٹی کے طالبعلم کو ایک مخصوص طرز کا (SOPHOMER) بنا کر چھوڑتے ہیں، جو برائے نام علم رکھنے کے باوجود اپنے بحر العلوم ہونے کے زعم باطل میں تاگردن غرق رہتا ہے۔

اس طرح مسلمان طلباء کا مغربی علوم پر دسترس حاصل کر لینے کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس امکان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ علم کی وحدت پر گہری عالمانہ اور محققانہ نظر ہو اور جستجو کا ایسا جذبہ ہو جو نئے امکانات تلاش کرنے کا محرک بنے اور بصیرت اس سعی میں علم کی وحدت کو پیچھے چھوڑ جائے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اوّل الذکر کا انحصار آخر الذکر پر ہے، کیونکہ وحدت کا علم حاصل کرنے کے لیے ایک ایسے محرک خیال کا ہونا ضروری ہے جو آدمی کی توجہ کو اپنے اندر جذب کر لے۔ اس نوع کا محرک خیال کسی مقصد سے وابستگی ہی کر سکتی ہے۔ مقصد سے بے نیاز مسلمان سے یہ توقع فضول ہے کہ وہ کسی بھی مضمون پر کامل عبور حاصل کر لے گا۔ اور ظاہر ہے کہ مطلوبہ کاملیت کے بغیر زیر مطالعہ علم کی فنی کیفیت کی حدود کو عبور کر کے نئی جہات کی جانب پیش قدمی کرنا ناممکن الخیال بات ہے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ کے بس میں یہ نہیں کہ وہ وجہ امتیاز کو بھی طلبہ کے ذہنوں تک منتقل کر دیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اساتذہ اپنے ادھ کچرے علم پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں اور اسی کو طلبہ تک منتقل کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ خود بھی اور ان کے طلباء بھی محض دوسرے درجہ کی کارکردگی سے ہی مطمئن و مسرور رہتے ہیں۔

یہ حقیقت کہ مسلم یونیورسٹیوں کے اساتذہ اسلامی طرز فکر کے حامل نہیں اور ان کے اعمال کا محرک اسلامی نصب العین نہیں ہے، اسلامی تعلیمی نظام کا المیاتی پہلو ہے۔ تمام مسلم دنیا میں

وہی طلبہ یونیورسٹیوں میں داخلہ لیتے ہیں جو کم از کم اسلامی طرز فکر سے بعض اوقات بڑی حد تک اور اکثر بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ اسکولوں یا مدرسوں میں ان کو برائے نام تعلیم دی جاتی ہے ، جو ان کو کسی مقصد سے آشنا کرنے یا ان میں اسلامی بصیرت پیدا کرنے کے لیے قطعاً ناکافی ہوتی ہیں۔ نیا طالب علم نظریاتی طور پر سادہ لوح کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا دماغ جذبات سے پُر ہو مگر وہ نظریات سے خالی ہوتا ہے اور اس کا ذہن کا جذباتی تانا بانا بھی اس وقت ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے جب بوقت مطالعہ اس کا ٹکراؤ نظریات ، حقائق اور سائنس کے معروضی نتائج سے ہوتا ہے ۔ ظاہر ہے طالب علم مدافعت کی پوزیشن میں نہیں ہوتا ۔ اس کے پاس وہ نظریات ، افکار اور بصیرت ہی نہیں ہوتی جس کے بل پر وہ نظریات کے میدان میں اترنے اور لوہا منوا لینے کی ہمت کر سکے ۔ گوکہ وہ تعلیم کے اختتام تک مکمل ملحد ، لادین یا اشتراکی نہ بھی ہو سکے ، اسلام کے متعلق اس کا نظریہ سکڑ کر لوگوں اور خاندان کے ساتھ صرف شخصی اور جذباتی تعلق کی حد تک باقی رہ جاتا ہے ۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ اسلام ایک متحرک نظریہ ہے جو جملہ مسائل کو بطریقِ احسن حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مسلمان طالب علم کا مسلم یونیورسٹیوں میں درسی کتابوں میں موجود اور کلاسوں میں پڑھائے جانے والے اجنبی اور غیر علوم کا ذہنی دفاع کرنے کی مثال کچھ ایسی ہو گی کہ جیسے تلوار اور ڈھال لے کر کوئی سپاہی مشین گن اور ٹینک کا مقابلہ کرنے نکل کھڑا ہو۔ مسلم دنیا میں طلباء کو کہیں بھی اسلامی نظریۂ فکر کی تعلیم نہیں دی جاتی جب کہ مغرب کے تمام اسکولوں میں مغربی نظریۂ فکر کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ نوعمر طلباء کو مستقل مزاجی ، آفاقیت ، انتہائی سنجیدگی اور انہماک کی سخت تربیت دی جاتی ہے ۔ اسلامی دنیا میں کہیں بھی یہ طرز فکر تمام طلباء کے لیئے بنیادی طور پر لازمی جزو تعلیم کی حیثیت نہیں رکھتا ۔

تصحیح

ترجمان القرآن شمارہ مارچ کے ص ۲۲/۲۲ پر سطر ۱۲ میں جو آیت درج ہے ۔
اس کے ابتدائی الفاظ درست کرلیں ۔

لَا يُغَيِّرُ اللّٰهَ (غلط) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ (درست)